اقبالؒ کے نظریۂ تصوف کے درخشاں پہلو

ڈاکٹر سید علی رضا

حکیم الامت ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ بیک وقت ایک عظیم مُفکّر اور مُصلح ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بُلند پایہ صوفی بھی تھے۔ بعض ناقدینِ اقبالؒ کا تو یہ خیال ہے کہ اقبالؒ سرے سے صوفی تھے ہی نہیں اور نہایت اصرار سے یہ کہتے ہیں کہ وہ تصوف کے قطعی خلاف تھے اور اس سلسلہ کو بنی نوع انسان کے لیے نہایت مہلک اور مسلمانوں کے زوال کا باعث سمجھتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد اقبالؒ کی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو ان کے ہاں ہمیں بزرگان دینؒ اور صوفیائے کرامؒ سے بے پناہ عقیدت سے مملو اشعار ملیں گے جیسا کہ اقبالؒ اپنے کلام میں مولانا جلال الدین رُومیؒ کو ''مرشد'' جیسے لقب سے یاد کرتے ہیں:

پیر رومی مرشدِ روشن ضمیر
کاروان عشق و مستی را امیر
منزلش برتر ز ماہ و آفتاب
خیمہ را از کہکشاں سازد طناب
نور قرآں درمیانِ سینہ اش
جامِ جم شرمندہ از آئینہ اش[1]

مولانا جلال الدین رومیؒ جو تیرہویں صدی عیسوی کی مایہ ناز شخصیت ہیں اور جناب اقبالؒ سے صدیوں قبل اُفقِ تصوف پر اُبھرے۔ مولانا رومیؒ ۶ ربیع الاوّل ۶۰۴ھ کو تولد ہوئے اور ۵ جمادی الثانیہ ۶۷۲ھ کو رحلت فرمائی۔[2] اقبالؒ نے مولانا جلال الدین رومیؒ کو پیر و مرشد کا درجہ کیوں دیا اور رومیؒ کے ساتھ ذہنی و روحانی رشتہ قائم کرنے میں کون سے عناصر کارفرما ہیں؟ یہ ایسے سوالات ہیں جو ہمیں اقبالؒ کے وجودِ خاکی میں تصوف کی پنپتی ہوئی روحانی کِرنوں کا پتہ دیتے ہیں۔ جو شخص صوفیاء کرامؒ کا ذکر محبت و احترام سے کرتا اور بزرگانِ دینؒ کی درگاہوں پر ذوق وشوق سے حاضر ہوتا ہو وہ تصوف کا مخالف کیسے ہو سکتا ہے۔ جس ہیئت میں تصوف

آج اسلام میں رائج ہے اور جس کا مظاہرہ ومشاہدہ عام طور پر خانقاہوں اور سجادہ نشینوں میں ہوتا ہے وہ حقیقی تصوف نہیں ہے جس کی بنیاد آج سے تقریباً ساڑھے چودہ سو سال قبل عیسوی میں عرب میں پڑی تھی اور صدیوں تک جن کی تلقین وتدریس بزرگانِ دینؒ اور اولیا کرامؒ کرتے رہے۔

اقبالؒ کو تصوف کے بعض پہلوؤں سے ہمیشہ اختلاف رہا جیسا کہ وہ ایک جگہ تحریر کرتے ہیں:

تصوف سے اگر اخلاص فی العمل مراد ہے تو کسی مسلمان کو اس امر پر اعتراض نہیں ہوسکتا۔ ہاں جب تصوف فلسفہ بننے کی کوشش کرتا ہے اور نظام عالم کے حقائق اور باری تعالیٰ کی ذات کے متعلق مُوشگافیاں پیش کر کے کشفی نظریہ پیش کرتا ہے تو میری رُوح اس کے خلاف بغاوت کرتی ہے۔[۳]

جب اسلام اطراف واکناف میں پھیلنا شروع ہوا تو مختلف مذاہب کے لوگ جوق در جوق مشرف بہ اسلام ہونے لگے مگر وہ اپنی قدیم روایات ونظامِ حیات کے فرسودہ اثرات کو اپنے ذہنوں میں موجود فلسفہ کی صورت میں لائے جس کا فطری ولازمی نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں میں فلسفہ وحکمتِ یونان وایران وہندوستان کے اثرات مرتب ہونا شروع ہوئے۔ چنانچہ رفتہ رفتہ یہ تخیّلات خالص اسلامی تعلیمات میں اس طرح گُھل مِل گئے کہ اب ان کا الگ ہونا محال ہوگیا۔

اُس وقت کے ''صوفیائے کرام'' افلاطونیان جدید کی تعلیمات سے بہت متاثر ہوئے اور اپنے ماخذ کی طرح خود بھی ''تصادم وقنوط'' کے قائل ہو گئے اور کسرِ نفسی، ترکِ خودی اور خود شکنی وغیرہ کی تعلیمات پر زور دینے لگے۔ نتیجتاً یہ خیال عوام کے ذہنوں میں سرایت کرنے لگا اور آخر کار وہ قوم جس کی بنیاد احساسِ نفس وخودی اور عمل پر رکھی گئی تھی ان تعلیمات سے اس درجہ متاثر ہوئی کہ انہوں نے اسے اپنا حیات کا لائحہ عمل بنایا اور اسے اپنی نجات کا ذریعہ سمجھ کر اپنے آپ کو بے کس وبے کار اور مجبور ومعذور سمجھنے لگے۔ یہی وہ نظریۂ تصوف ہے جس کے خلاف اقبالؒ جہاد کرتے ہیں۔ وہ اصل میں تصوف سے اختلاف نہیں کرتے بلکہ وہ تصوف کو غیر اسلامی اجزاء سے پاک کر کے اس کو اصلی اور پاک صورت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت اقبالؒ نے اسرار خودی کے اشعار اور کتاب کے دیباچہ میں تصوف کے بعض غیر اسلامی مسائل پر تنقید کی تھی خاص طور پر نظریہ وحدت الوجود پر۔ آپؒ نے حافظ شیرازی کو بھی ہدفِ تنقید بنایا جس پر بہت بڑا ہنگامہ برپا ہوا جس کے دلسِ پردہ خواجہ حسن نظامی کی شخصیت موجود تھی۔ اکبر الہ آبادی نے بھی کسی حد تک مخالفت کی مگر دوستانہ ومخلصانہ انداز کو اپناتے ہوئے اقبالؒ اور خواجہ حسن نظامی سے بذریعہ خط کتابت کی تاکہ یہ بحث وتکرار کا سلسلہ معطل ہو۔ اقبالؒ نے اپنے اوپر اٹھنے والے تمام سوالات کے جواب اپنے مضامین کی صورت میں دیے۔ جس کے متعلق سید عبدالواحد معینی لکھتے ہیں:

اقبالؒ نے پانچ مضامین تحریر کیے جن میں اسرار خودی وتصوف، سرِ اسرار خودی، تصوف وجودیہ، علم ظاہر وباطن

اور اسلام اور تصوف شامل ہیں۔ اِس کے علاوہ ڈاکٹر نِکلسن کی فرمائش پر اسرارِ خودی کے بارے میں ایک توضیحی مضمون بھی تحریر کیا اور چند مستشرقین کے اعتراضات کے جواب دینے کے لیے انہیں طویل خط بھی تحریر کیا۔ یہ سب تحریریں اسلامی تصوف اور غیر اسلامی تصوف کے بارے میں اقبالؒ کا نقطہ نظر واضح کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ یہ بات یقینی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ اقبالؒ نے جہاں کہیں بھی تصوف کی مخالفت کی ہے ان کی تنقید کا نشانہ وہ غیر اسلامی عناصر تھے جنھوں نے اسلامی تعلیمات کو اس قدر گنجلک بنا دیا ہے کہ عام مسلمان کے لیے اسلامی تصوف اور غیر اسلامی عناصر میں امتیاز کرنا دشوار ہو گیا ہے۔[۴]

ڈاکٹر نکلسن کو اپنے ایک خط کے ذریعے علامہ محمد اقبالؒ نے جو پیغام دیا اس کا لبِ لباب یہ تھا:

I Claim that the philosophy of the Asrar is a direct development out of the experience and speculation of old Mulslim Sufies and Thinkers.[5]

اقبالؒ نے تصوف کے در پردہ حقائق سے آشنائی کے لیے انسان کو ''خودی'' کی تلقین کی۔ اِس خودی کی اصطلاح وہ ''عرفانِ نفس'' سے پیش کرتے ہیں جس کے تین پہلو ہوتے ہیں یعنی دنیا شناسی، خدا شناسی اور خود شناسی۔ اقبالؒ نے ان تین پہلوؤں کو اپنی شاعری و فلسفہ میں سمیٹ کر خودی کا ایک خاص معیار وضع کیا ہے۔ جِس طرح ہر انسان میں یہ خودی ہوتی ہے اسی طرح ہر قوم میں بھی یہ پائی جاتی ہے اور اسی کو ''روحِ قومی'' بھی کہتے ہیں اور قومی خودی کی طرح تمام انسانیت کی بھی ایک خودی ہوتی ہے جِس کا احساس سب سے پہلے آنحضرتؐ نے پیدا کیا۔ پروفیسر حمید احمد خان لکھتے ہیں:

اقبالؒ کے کلام کی ایک خصوصیت ایسی ہے جو اُسے تمام دُوسرے شعراء سے ممتاز کر دیتی ہے۔ بلادِ مشرق میں شاعری کو پیغمبری سے جو روایتی نسبت حاصل رہی ہے اُس کا مظہرِ اتم ہندوستان میں یقیناً علامہ اقبالؒ کی ذات گرامی کی صفات تھی۔ پیغمبر محض شعائرِ اخلاق کا قائم کرنے والا ہی نہیں بلکہ انسان کی تمام حیاتِ عمرانی کا مؤسس ہوتا ہے۔ اگر وہ کسی جامع شریعت کا حامل ہے تو قوم کی زندگی کے ہر شعبہ کے لیے اُس کے احکام موجود ہونے چاہییں۔ اقبالؒ کی حکمتِ اسلامیہ کا امتیاز یہی ہے کہ وہ تمام قومی و معاشرتی اداروں کو محیط ہے۔ اقبالؒ کا قول قرآنِ کریم کے قائم کیے ہوئے نظامِ حیات کی تفسیر اور رسول اللہ محمدؐ کے ارشادات کی والہانہ ترجمانی ہے۔[۶]

انسان کی خودی کی طرح تمام کائناتِ عالم کی بھی ایک خودی ہوتی ہے اور وہی حقیقی کون و مکان ہوتی ہے جسے دوسرے الفاظ میں خدا کہا جاتا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ خودی اور خدا میں کس قدر قریبی تعلق ہے۔ اسی تعلق کی بنا پر تو کہا گیا کہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّه'[۷] یعنی جس نے خود کو پہچانا اُس نے اپنے ربّ کو پہچانا۔ اور یہی سبق حیاتِ نبیؐ ہمیں دیتی ہے اور یہی مبدأ و منشائے تصوف ہے اور یہی اقبالؒ کی تعلیم و شاعری کی رُوح ہے۔ عبدالواحد معینی اقبالؒ کی زبانی یوں رقمطراز ہیں:

تصوف کے مقاصد سے مجھے کیوں کر اختلاف ہوسکتا ہے۔کون مسلمان ہے جو ان لوگوں کو بُرا سمجھے جن کا نصب العین محبت رسولؐ ہے اور جو اس ذریعہ سے ذات باری سے تعلق پیدا کر کے اپنے اور دوسروں کے ایمان کی پختگی کا باعث ہوتے ہیں۔اگر میں تمام صوفیاءؒ کا مخالف ہوتا تو مثنوی میں ان کی حکایات ومقولات سے استدلال نہ کرتا۔[۸]

اس میں کوئی شک نہیں کہ اقبالؒ نے غزالیؒ ورومیؒ کا انتہائی گہرا مطالعہ بھی کیا۔لیکن انہوں نے اصل ماخذ قرآن حکیم کو بنایا۔قرآن ہدایتِ انسانی کے لیے ربّ ذوالجلال کا آخری کلام ہے اگر انسان چاہتا ہے کہ اُس پر کائنات کے تمام سربستہ راز کھل جائیں تو اُسے چاہیے کہ اقبالؒ کی طرح اس کا مطالعہ کرے اور خشوع وخضوع کیساتھ اس کا باقاعدہ اہتمام کرے اور اگر اس کی عملی تفسیر ملاحظہ کرنا چاہے تو آپؐ کی حیاتِ اقدس اس کی بہترین عکاس ہے۔

انسانی نشوونما کے لیے بنیادی قوانین اور اُصولوں کی ضرورت ہوتی ہے جو قرآن پاک میں جمع کر دیے گئے ہیں جن میں تبدیلی ناممکن ہے۔اقبالؒ قدماء اکابرین اسلام کے نظریات سے اختلاف نہیں کرتے، بلکہ دورِ حاضر کے مسلمان سے علوم وفنون کی روشنی میں تمام مسلّمات ونظریاتِ اسلام پر دوبارہ غور کرنے کی تلقین کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی نہایت وضاحت سے کہہ دیتے ہیں کہ رشد وہدایت کا اصل سرچشمہ وجدان وعشق ہے اور نئے علوم وفنون کی مدد سے روحانی حقیقت سمجھانے کی ضرورت صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو اصل سرچشمہ سے سیرابی نہیں چاہتے اسی لئے وہ تمام انسانوں کو یکساں نہیں پاتے اور مذہب کی پیروی بغیر دلیل نہیں کرنا چاہتے۔

اقبالؒ کے نظریہ تصوف کے متعلق صوفی غلام مصطفیٰ تبسم لکھتے ہیں:

> اقبالؒ کا انداز فکر اس تصوف سے جو صدیوں سے دنیائے اسلام میں رائج رہا ہے بالکل مختلف ہے۔وہ بدقسمتی سے بڑی حد تک مسلمانوں میں جمود پیدا کرنے کا باعث رہا۔جن لوگوں نے اس تصوف جمالی کو اپنا مسلک اور دین بنایا ان کے لیے مادی ماحول کے تکلیف دہ عناصر سے مصروف پیکار ہونا ناممکن ہے۔ان کو اس محویت میں وہ لطف حاصل ہوتا ہے کہ وہ وہیں کے ہو رہتے ہیں۔علامہ اقبالؒ کا نظریہ تصوف انہیں جھنجھوڑتا ہے اور خوابِ غفلت سے پیدا کرتا ہے۔[۹]

اقبالؒ کائنات کو ایک مادی وجود تصوّر کرتے ہیں جو انسان کے لیے تخلیق شدہ ہے۔اس کے مادی پہلوؤں میں اخلاقی پہلو بھی سموئے ہوئے ہیں جن کی رُو سے وہ صوفیاء کرامؒ کے ساتھ سفر کرتے بھی دکھائی دیتے ہیں:

تو شب آفریدی چراغ آفریدم
سفال آفریدی، ایاغ آفریدم
بیابان و کہسار و راغ آفریدی
خیابان و گلزار و باغ آفریدم
من آنم کہ از سنگ آئینہ سازم
من آنم کہ از زہر نوشینہ سازم[۱۰]

انسان کا اخلاق احساس خودی ہے اور اس کی منزل ومقصود نگہداری واستحکام خودی ہے اور خودی کو مستحکم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے ماحول سے جنگ وجدل رکھے اور اپنے مقاصد حیات کی تکمیل کے لیے رکاوٹوں اور مشکلات کو عبور کرتا چلا جائے۔ اس جدوجہد کے ذریعے سے انسان برابر اپنے مقاصد میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ ''سکون خواہ جنت کا ہی کیوں نہ ہو خودی کی موت کا مترادف ہے۔ نفیٔ ذات کا نظریہ یا اپنی ہستی کو بے مقصد سمجھنا دراصل غلام اور پست ہمّت قوموں کا اخلاقی عقیدہ رہا''۔[۱۱] ایسے حالات اور ایسی قومیں جن کی سوچ ان کے پیچھے کارفرما ہوتی ہے، قوموں کو بے عمل اور ناتواں بنا کر دنیا سے کنارہ کرنے اور اپنی ذمہ داری کی عدم ادائیگی جیسے عوامل سے بھرپور تصوف کی تحریک کو پروان چڑھانے میں کارفرما ہوتی ہے۔ اقبالؒ اس بے عمل اور ناتواں زندگی سے نالاں نظر آتے ہیں اور فرماتے ہیں:

محکوم ہو سالِک تو یہی اس کا 'ہمہ اوست'
خود مردہ، خود مرقد و خود مرگِ مفاجات
ترے دین و ادب سے آ رہی ہے بوئے رہبانی
یہی ہے مرنے والی اُمتوں کا عالم پیری
نِکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیریؑ
کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری[۱۲]

اقبالؒ کے نزدیک اخلاقی صفتوں سے مزین ہونا انسانیت کی شان ہے۔ وہ اپنے کلام میں لوگوں کو فقر کو اختیار کرنے کا درس دیتے ہیں کہ تزکیہ نفس کے قفل کی کلید یہی فقر ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

ہمت ہو اگر تو ڈھونڈ وہ فقر
جِس فقر کی اصل ہے حجازی
اس فقر سے آدمی میں ہو پیدا
اللہ کی شانِ بے نیازی[۱۳]

اقبالؒ صاحب فقر کو جہادِ اکبر کا غازی قرار دیتے ہوئے مزید فرماتے ہیں:

یہ فقر غیور جس نے پایا
بے تیغ و سناں ہے مردِ غازی
مومن کی اسی میں ہے امیری
اللہ سے مانگ یہ فقیری[۱۴]

اقبالؒ نے فقر پر زور دیتے ہوئے آپؐ کی حیات طیّبہ کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنانے کی تلقین کی۔ وہ آپؐ کی حیات طیّبہ کو اپنانے کا درس دیتے ہوئے بھی ملتے ہیں۔ کیونکہ آپؐ سرکار کی حیات طیّبہ تمام انسانوں کے لیے فقر کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

چیست فقر اے بندگانِ آب و گِل
یک نگاہ راہ بیں، یک زندہ دل
فقر کارِ خویش را سنجیدن است
بر دو حرفِ لَآ اِلٰہ پیچیدن است
فقر خیبر گیر بانانِ شعیر
بستۂ فتراکِ او سلطان و میر
فقر ذوق و شوق و تسلیم و رضاست
ما امینیم، ایں متاعِ مصطفیٰؐ ست[۱۵]

اقبالؒ کی نظر میں فقر میں کائنات کے سربستہ راز پنہاں ہیں۔ جب کوئی فقر کو اختیار کر لیتا ہے تو وہ دنیاوی دھوکے وفریب سے چمکتی ہوئی رعنائیوں اور بیش بہا قیمتی خزانوں سے بے پرواہ ہو کر خدا شناسی کی منزل تک جا پہنچتا ہے۔ وہ اپنے کلام میں فرماتے ہیں:

نگاہ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے
خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے
خوش آگئی ہے جہاں کو قلندری میری
وگرنہ شعر مرا کیا ہے شاعری کیا ہے[۱۶]

یہی وہ فقر ہے جس کا اقبالؒ درس دیتے ہیں کہ جس نے اسے اختیار کیا وہ جرأت ایمانی سے اس قدر سرشار ہوا کہ پھر کبھی کسی حاکم، ظالم وجابر کے سامنے سرِ تسلیم خم نہ کر سکا۔ یہ حقیقت میں انسان کامل کا طُرّہ ہے۔ یہی فقر جب حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے وجود خاکی میں اُترا تو وہ بے باکی وجرأت کیساتھ حاکمِ وقت کے سامنے

جانے سے بھی نہیں گھبرائے۔ اقبالؒ فرماتے ہیں:

گردن نہ جُھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جِس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار [۱۷]

یہ بات تو عیاں ہوئی کہ اقبال اسلامی تصوف کے مخالف نہیں بلکہ اس تصوف کے اندر چور رستہ سے آئے اور سمائے ہوئے اُن اجزا سے اختلاف رکھتے ہیں۔ وہ اس تصوف کے قائل ہوں جو انسان کو اپنی ذمہ داریوں کی پہچان کرواتے ہوئے حقیقی معنوں میں خدائے بزرگ و برتر کا نائب بنائے نہ کہ زندگی کی الجھنوں و پریشانیوں سے گھبرا کر تارک الدّنیا ہونے کا درس دے۔

اقبال عملی تصوف کے اس حصے کے منکر نہیں جس کا تعلق پاکیزگی وطہارت، حلال روزی کمانے اور ریا کاری سے بچنے، کامل راہنما کی اطاعت اور ان عبادات سے ہے جن کا ثبوت نبی کریمؐ کے عمل اور قرآن سے ملتا ہے۔ اقبال بھی انہیں تزکیہ روحانی کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ [۱۸]

اقبال کا نصب العین فقر کی منزل سے ہمکناری بھی ہے۔ صاحب فقر دوسروں کے ٹکڑوں پر پلنے والے سائل اور گداگر سے بالکل الگ شخصیت کا حامل ہے۔ وہ تو قلب ونظر کی طہارت و پاکیزگی کے ساتھ ساتھ تسخیرِ کائنات کی قوت کا بھی مالک ہے۔ اس بارے میں اقبالؒ فرماتے ہیں:

اک فقر سکھاتا ہے صیاد کو نخچیری
اک فقر سے کھلتے ہیں اسرار جہانگیری
اک فقر سے قوموں میں مسکینی و دلگیری
اک فقر سے مٹی میں خاصیتِ اکسیری
اک فقر ہے شبیریؑ اس فقر میں ہے میری
میراثِ سلمانی سرمایۂ شبیریؑ [۱۹]

اقبال انسان کو مادہ پرستی کے زہریلے مادوں کے اثرات سے پاک کرنا چاہتے ہیں اسی لیے وہ تن آسانی، تساہل پسندی اور عیش پرستی جیسے خطرناک عناصر سے انسان کو دوری اختیار کر کے فقر اپنانے کے لیے مزید فرماتے ہیں:

ترے صوفے ہیں افرنگی، ترے قالین ہیں ایرانی
لہو مجھ کو رُلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی
امارت کیا، شکوہ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل؟
نہ زور حیدریؓ تجھ میں نہ استغنائے سلمانیؓ

نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیبِ حاضر کی تجلّی میں
کہ پایا میں نے استغنا میں معراجِ مسلمانی [۲۰]

اقبالؒ کی نظر میں صاحب فقر جب تک جذبہ عشق سے سرشار نہ ہو تب تک انسان اپنی بصیرت وقوت ایمانی سے سے استفادہ نہیں کرسکتا۔ جیسے عقل منطقی استدلال اور ظن وتخمین کی انسان کے لیے وصفِ خاص ہے عشق ایسی قوت ہے جو انسان کو زمانی ومکانی حقیقت سے آشنا کرتی ہے۔ عشق کی قوت طبیعات کے علم سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ اس کا ماخذ روح انسانی ہے جس کی باطنی قوتیں لا متناہی ہیں۔ جیسا کہ اقبالؒ اس بات کی صراحت اپنی شاعری میں کرتے ہیں:

عشق دمِ جبرئیل، عشق دلِ مصطفیٰؐ
عشق خدا کا رسولؐ، عشق خدا کا کلام
عشق فقیہ حرم، عشق امیرِ جنود
عشق ہے ابن السبیل اس کے ہزاروں مقام [۲۱]

اقبالؒ درحقیقت ایک ایسے صوفی تھے جو منفی تصوف کے نہیں بلکہ اثباتی تصوف کے قائل تھے اور یہی اثباتی تصوف اسلامی تصوف ہی ہے جو انسان کا روحانیت سے اس طرح تعلق باقی رکھے کہ وہ اس دنیا میں زیادہ سے زیادہ انفرادی اور اجتماعی فرائض انجام دے۔ اس کی سب سے عمدہ مثال رسول اللہ جناب محمد مصطفیٰؐ کی حیات طیبہ میں ملتی ہے۔ علامہ محمد اقبال کو رسول اللہ جناب محمد مصطفیٰؐ کی ذات سے عشق تھا۔ اقبالؒ نے اپنے کلام میں بھی گوشہ نشینی سے بیزاری ظاہر کی اور اِسے انسان کے لئے زوال وادبار سے کسالت و بے عملی کا سبب قرار دیا۔ فرمایا:

رندوں کو بھی معلوم ہیں صوفی کے کمالات
ہر چند کہ مشہور نہیں ان کے کرامات
خود گیری و خود داری و گلبانگ 'انا الحق'
آزاد ہو سالِک تو یہ ہیں اس کے مقامات
محکوم ہو سالِک تو یہی اس کا 'ہمہ اوست'
خود مردہ و خود مرقد و خود مرگِ مفاجات [۲۲]

اقبالؒ نے انسان کی ہمہ وقت زیست کی ظلمتوں کے مقابل اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنا پر اپنے عمل کو انجام دینے کی بات کی۔ اگر اقبالؒ بے عمل اور تارک الدنیا صوفی سے بیزار ہیں تو ظاہر پرست اور شعائر اسلامی سے بیگانہ مُلاّ سے بھی چنداں خوش نہیں۔ اقبالؒ نے ہمیشہ نام نہاد صوفی اور نفس پرست مُلاّ دونوں کی مخالف کی۔

دونوں نے شریعت وطریقت کے باطنی اُصولوں سے ناواقفیت کے علی الرغم دین کی من مانی تاویلات سے بعض فروعی مسائل کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دی۔ خصوصاً مُلا نے اپنی کج فہمی کی بنا پر دین کا حصار تنگ کرنے کی کوشش کی۔ خلقِ خدا میں اخوت اور باہمی محبت کا جذبہ جڑ سے اکھاڑنے کی جسارت کی۔ فرقہ وارانہ مناظرہ بازی مُلّا ئیت کا اوّلین مقصد ہے۔ اقبال کی نظر میں اسی مُلّا ئیت کا علمبردار بہشت کے اہل نہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

میں بھی حاضر تھا وہاں ضبط سخن کر نہ سکا
حق سے جب حضرت مُلّا کو مِلا حُکم بہشت
عرض کی میں نے الٰہی! مری تقصیر معاف
خوش نہ آئیں گے اسے حور و شراب و لبِ کشت
نہیں فردوس مقام جدل و قال و اقول
بحث و تکرار اس اللہ کے بندے کی سَرِشت
ہے بد آموزی اقوام و ملل کام اس کا
اور جنت میں نہ مسجد، نہ کلیسا، نہ کنشت [۲۳]

المختصر یہ کہ علامہ محمد اقبالؒ بلا شبہ ایسے الہامی صوفی شاعر ہیں جو نفیِ ذات کے مقابلے میں ہر انسان کو اثباتِ خودی کی تعلیم دیتے ہیں۔ اقبالؒ کو پڑھنے سے معلوم پڑتا ہے کہ وہ حقیقت میں ایک خدا شناس شخصیت کے مالک ہیں۔ ان کے افکار کا منبع اور ماخذ قرآن کریم کی تعلیمات ہیں۔ انسان جب اِس الہامی کتاب پر سچے دل سے غور و فکر کرتا چلا جاتا ہے تو اسرارِ الٰہی اس پر آشکار ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ جب اسرارِ الٰہیہ سے واقفیت بڑھے تو انسان کو اقبالؒ کی طرح اپنی خداداد صلاحیتوں کو استعمال کر کے اعلیٰ مقاصد کا حصول یقینی بنانا چاہیے اور فلسفۂ اقبال کی روشنی میں انسان کو عروجِ آدمؑ، تسخیرِ کائنات، تعمیرِ ملّت، قوتِ جہد و عمل، شان و فقر، غایتِ دینِ نبویؐ، خودی و بےخودی اور رہبانیت کی ماہیت جیسے معاملات پر مکمل غور و فکر کرتے ہوئے معاشرے میں اپنا مثبت کردار ادا کرنا چاہیے۔

حوالہ جات و حواشی

۱۔ محمد اقبالؒ، علامہ، کلیات اقبال (فارسی)، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۸۱ء، ص ۸۰۳

۲۔ تبسّم، عبدالرشید (ترجمہ)، ملفوظات رومی، مُدوے پریس، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۴

۳۔ عطااللہ، شیخ، (مرتبہ) اقبال نامہ (حصہ اوّل)، آئینۂ اُردو لاہور، س ن، ص ۵۳

۴۔ معینی، عبدالواحد، ڈاکٹر، (مرتبہ) مقالاتِ اقبال، آئینۂ اُردو، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۲۰۱

5. Bashir Ahmad Dar, (Compiled and Edited) *Letters of Iqbal*, Iqbal Academy, Lahore. 1987,p-147.

۶۔ حمید احمد خان، پروفیسر، اقبال کی شخصیت و شاعری (مجموعہ مقالات)، بزمِ اقبالؒ، لاہور، ۱۹۸۳ء، ص ۱۵

۷۔ تبسّم، عبدالرشید (ترجمہ)، ملفوظات رومی، ص ۳۲

۸۔ معینی، عبدالواحد، ڈاکٹر، مرتبہ مقالاتِ اقبال، ص ۲۰۴

۹۔ تبسّم، صوفی غلام مصطفیٰ، اقبال اور تصوف (مشمولہ: منشوراتِ اقبالؒ)، بزم اقبالؒ، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۸۷

۱۰۔ محمد اقبالؒ، علامہ، کلیات اقبال (فارسی)، ص ۲۸۴

۱۱۔ یزدانی، منیر احمد، فوز اقبال، نیشنل انسٹیٹیوٹ آف کشمیر سٹڈیز، میر پور، آزاد کشمیر، ۲۰۱۴ء، ص ۴

۱۲۔ محمد اقبالؒ، علامہ، کلیات اقبال (اردو)، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص ۴۱۷

۱۳۔ ایضاً، ص ۶۰۰

۱۴۔ ایضاً، ص ۶۰۰

۱۵۔ محمد اقبالؒ، علامہ، کلیات اقبال (فارسی)، ص ۸۱۶

۱۶۔ ایضاً، ص ۳۴۰

۱۷۔ محمد اقبالؒ، علامہ، کلیات اقبال (اُردو)، ص ۴۸۸

۱۸۔ محمد عبداللہ، سیّد، ڈاکٹر، طیف اقبال (مرتبہ ڈاکٹر ممتاز بنگلوری)، لاہور اکیڈمی، لاہور، ۱۹۷۶ء، ص ۴۸

۱۹۔ صدیق جاوید، ڈاکٹر، بال جبریل کا تنقیدی مطالعہ، یونیورسٹی بکس، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۲۲۱

۲۰۔ ایضاً، ص ۲۱۴

۲۱۔ ایضاً، ص ۱۷۱

۲۲۔ محمد اقبالؒ، علامہ، کلیات اقبال (اُردو)، ص ۴۱۷

۲۳۔ صدیق جاوید، ڈاکٹر، بال جبریل کا تنقیدی مطالعہ، ص ۲۲۱